معیشتِ اسلام — فکر و نظام

اور اس کے نفاذ کی عملی تدابیر

جناب عبدالمجیب صاحب

اسلامی معیشت کے اہم اور وسیع موضوع سے متعلق اب تک بہت کچھ تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے جو بلاشبہ ہمارا گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔ ضرورت تو دراصل اس بات کی تھی کہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے عملی زندگی میں پورا پورا استفادہ کیا جاتا مگر معاملہ بالکل اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ عرصہ سے نہ صرف یہ کہ اسلامی نظریہ و نظامِ معیشت پر قابلِ قدر علمی کاوشوں کی ناقدری ہو رہی ہے بلکہ خلطِ مبحث کر کے طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں اور فکری انتشار برپا کیا جا رہا ہے تاکہ اسلام کے لیے جو خطۂ پاک بڑی بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا تھا، وہیں اسلام کے معاشی نظام کے نفاذ و قیام کو معرضِ التوا میں ڈال دیا جائے۔ ایسی صورتِ حال میں وقت کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ حالیہ نظریاتی قلابازیوں کے پسِ پردہ اغیار کی جو سازش کام کر رہی ہے اُسے بے نقاب کر دیا جائے۔ اس کام کے لیے فروعی و جزوی باریکیوں میں اُلجھنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ اصل معاشی مسئلہ پر بات آئینہ کی طرح صاف ہو جائے تاکہ اس آئینہ میں ہر روپ اور بہروپ کی مکمل عکاسی ہو جائے۔

اس پس منظر میں زیرِ نظر مضمون کو تحریر میں لانے کے تین مقاصد ہیں۔ اوّلاً یہ کہ تمام نظریات، مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں انسانی زندگی میں معاشیات کا صحیح مقام متعین کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ پورے اسلامی فلسفہ و نظامِ معیشت کا ایک جامع نقشہ بیک وقت نظر کے سامنے آ جائے۔ اور تیسرے یہ کہ حالاتِ حاضرہ اور مسائلِ جدیدہ کی روشنی میں اسلامی معیشت کی عملی تشکیل و نفاذ کی مختلف صورتوں پر غور و فکر کر کے اعتدال پر مبنی کوئی قابلِ عمل فارمولا طے کر لیا جائے۔ یہ تیسرا اور آخری مقصد بے انتہا اہم ہے

اس لیے کہ اسلامی فکر و نظام کے اصول خواہ کتنے ہی دلآویز ہوں، اگر ان کے انطباق کی درست، واضح اور ٹھوس شکل نکھر کر سامنے نہ آجائے تو ان کے عملی مضمرات کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا مقاصد کے پیش نظر اس مختصر مضمون کے معروضات کو آسانی کی خاطر مندرجہ ذیل چھ ذیلی عنوانات کے تحت رقم کیا گیا ہے:۔

۱۔ انسان کا بنیادی مسئلہ اور اس کی اہمیت، یعنی انسانی زندگی کے اجزائے ترکیبی اور ان میں معاش کا صحیح مقام۔

۲۔ دنیا کے مختلف نظام ہائے حیات کا طائرانہ اور تقابلی جائزہ۔

۳۔ مروجہ دونوں معاشی نظاموں یعنی سرمایہ داری اور اشتراکیت کی حقیقت اور ان دونوں کی مطابقت۔

۴۔ مثالی اور معیاری نظامِ معیشت کی خصوصیات۔

۵۔ اسلامی نظامِ معیشت کے اصول وضوابط۔

۶۔ اسلامی نظامِ معیشت کے عملی نفاذ کے لیے مجوزہ تدابیر۔

۱۔ انسان کا بنیادی مسئلہ اور اس کی اہمیت

کسی معاشی نظام کا بے لاگ جائزہ لینے سے قبل یہ ضروری ہے کہ خود انسانی زندگی اور اس کی نوعیت اور انسان کی شخصیت پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ انسانی زندگی کو سمجھے بغیر یا اس کا صحیح تجزیہ کیے بغیر انسان کے معاشی مسائل اور ان کے حل کا شعور روادراک قریب قریب ناممکن ہے۔ اس بنیادی حقیقت کو پا لینے کے بعد اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو بآسانی معلوم ہوگا کہ انسان دراصل دو چیزوں کا مرکب ہے۔ ایک تو مادہ (ظاہر) یعنی جسمانی ساخت اور اس کی جملہ ضروریات۔ دوسرے روح (باطن) یعنی ذہن، ضمیر، جذبات اور احساسات وغیرہ۔ ان دونوں یعنی ظاہر و باطن کے سارے تقاضوں کا ٹھیک ٹھیک پورا کیا جانا عین فطرتِ انسانی ہے پہلی قسم کی انسانی ضروریات کو مادیت اور دوسری قسم کی ضروریات کو روحانیت سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان از خود اپنی مادی و معاشی ضروریاتِ زندگی اور اخلاقی و روحانی ضروریاتِ زندگی کے درمیان اعتدال قائم رکھنے سے قاصر رہا ہے کبھی تو اس کی تمام تر توجہ اوّل تا آخر مادیت پر مرکوز ہو گئی اور کبھی صرف روحانیت کا حصول اس کا مطمحِ نظر بن گیا یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگی سکون و طمانیت سے خالی رہی۔ انفرادی زندگی میں بھی مادیت اور روحانیت کے مابین انسان از خود توازن نہ پیدا کر سکا اور اجتماعیت کا محور بھی کبھی مادیت رہا اور کبھی روحانیت۔ انسان نے اب تک جتنے بھی فلسفہ ہائے حیات کو جنم دیا ہے ان میں یہی افراط و تفریط کارفرما نظر آتی ہے۔ سرمایہ داری اور سوشلزم سے لے کر رہبانیت اور پاپائیت تک کے سارے راستے اسی افراط و تفریط کی وادیٔ پُرپیچ و پُرخار سے گزرتے رہے ہیں۔

قادرِ مطلق کا انسان پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے انسانی زندگی کے اندر توازن اور اعتدال پیدا کرنے کے لیے اُسے اسلام کی صورت میں ایک مکمل ضابطہ عطا فرمایا ہے۔ جو شخص بھی اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی کہ اسلام نے زندگی کے سارے پہلوؤں سے انصاف کیا ہے۔ عقائد و ایمانیات سے اجتماعی زندگی کے بڑے بڑے مسائل تک کے لیے اس میں نہایت مکمل اور جامع ہدایت موجود ہے۔

۲۔ مختلف نظام ہائے زندگی کا تقابل

گو انسانی زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے، تاہم اس کے چار مختلف مگر مربوط شعبے قرار دیے جا سکتے ہیں اور وہ یہ ہیں :

(الف) انفرادی ضروریات —— مادی و معاشی

(ب) اجتماعی ضروریات —— مادی و معاشی

(ج) انفرادی ضروریات —— اخلاقی و روحانی

(د) اجتماعی ضروریات —— اخلاقی و روحانی

انسان کے اپنے بنائے ہوئے کسی بھی نظامِ زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے

کہ وہ مندرجہ بالا چار شعبوں میں سے صرف کسی ایک کو اپنا مقصود بنائے ہوئے ہے۔ بالفاظِ دیگر ہر انسانی نظامِ زندگی صرف پچیس فیصد مسائلِ زندگی کا حل تجویز کرتا ہے اور بقیہ پچھتر فیصد مسائل کو سرے سے نظر انداز کر دیتا ہے۔ لہٰذا منطقی اعتبار سے ایسا ہر نظامِ حیات انتہائی غیر متوازن قرار پاتا ہے۔ ان مجمل نکات کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل خاکہ قابلِ غور ہے:

خاکہ نمبر ۱

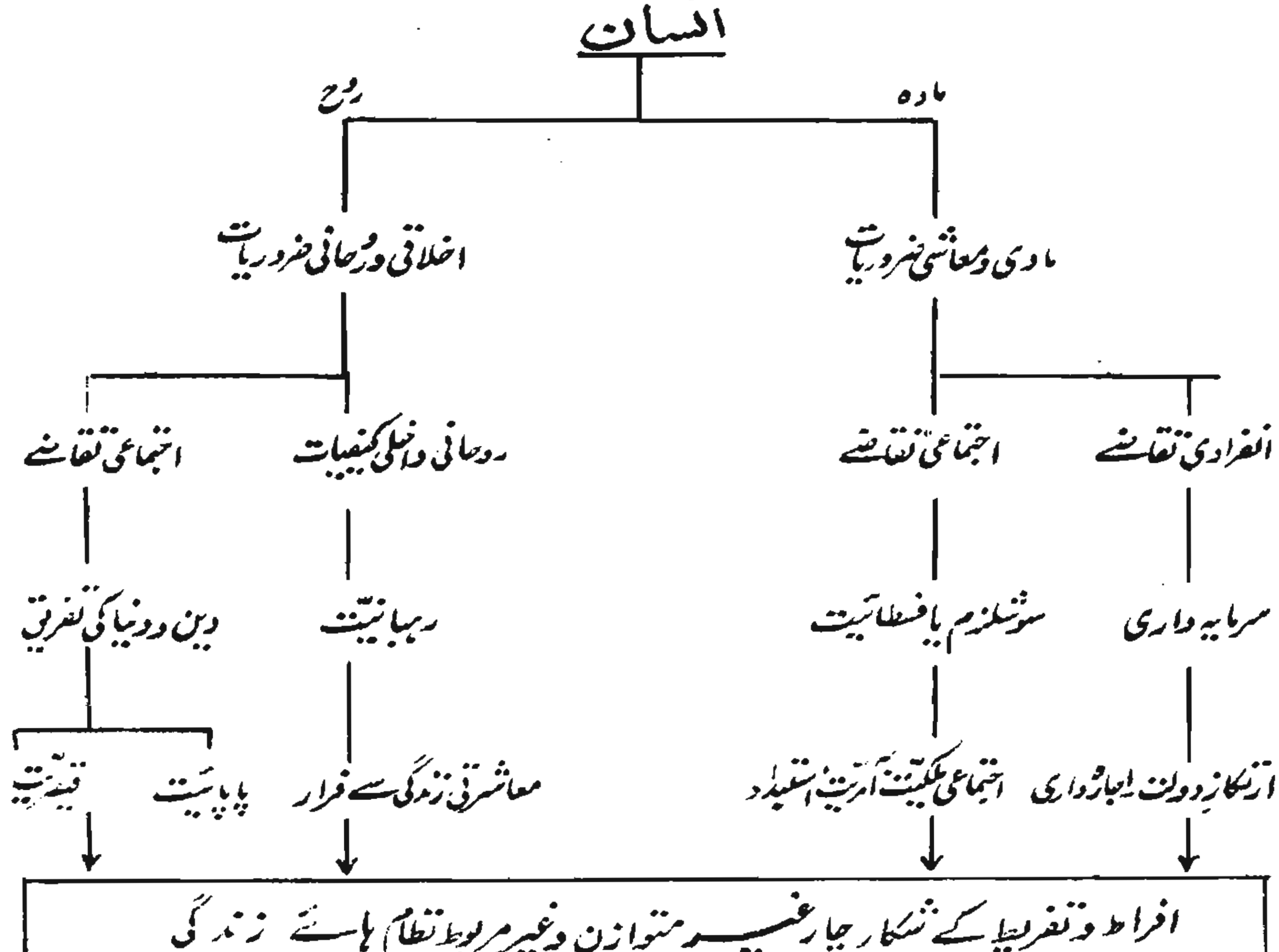

اوپر دیئے ہوئے خاکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مروجہ نظام ہائے حیات انسانی زندگی کو نہ صرف یہ کہ کئی خانوں میں تقسیم کر کے رکھ دیتے ہیں بلکہ ان کے یک رُخے پن سے مسائل حل ہونا تو درکنار وہ اضافہ مسائل کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک چار پہیئے والی گاڑی کے تین پہیئے نکال کر اس کو صرف ایک پہیئے پر چلانے کی کوشش کی جائے۔ ایسی صورت میں گاڑی کا جو حشر ہوگا اس کا تصور کرنا آسان ہے۔ [illegible]

دنیا کی گاڑی کا حشر بھی کچھ اسی طرح سرمایہ داری، اشتراکیت، رہبانیت، پاپائیت اور قیصریت کے ہاتھوں ہُوا ہے۔

انسان کے بنائے ہوئے غیر متوازن و غیر مربُوط نظاموں کے بالمقابل خالقِ انسان و کائنات کا عطا کردہ نسخہ کیمیا وہ نظامِ اسلامی ہے جس میں انسان کے تمام مسائل و ضروریات کا مکمل احاطہ و حل موجود ہے درج ذیل نظامِ زندگی کا اسلامی خاکہ توجہ کا مستحق ہے:

خاکہ نمبر ۲

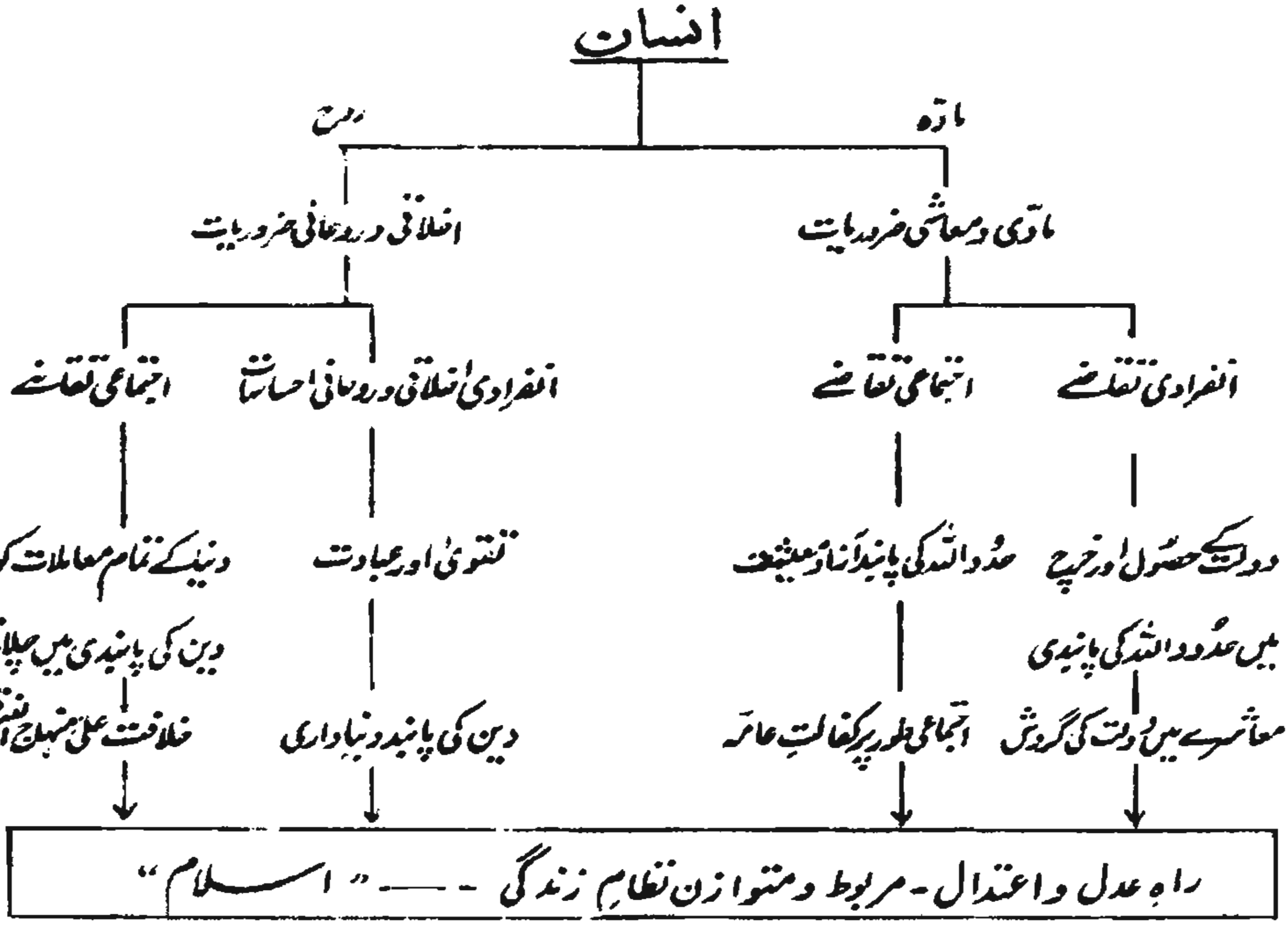

اُوپر دیا ہُوا خاکہ عقل کی کسوٹی پر صدفی صد پُورا اترتا ہے۔ اِس لیے کہ اس میں ہر شعبۂ زندگی کا ایک دوسرے سے باہمی ربط و تعلق اوّل تا آخر ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے اعیات بہ یک پُورے ہو جاتیں۔ ایسا عظیم نظامِ زندگی جو پُوری زندگی پر محیط ہو صرف اسلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظامِ حیات کو "فکری نظامِ زندگی" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اوپر دیئے ہوئے

خاکہ میں اسلام کے معاشی نظام کا اجمالی نقشہ صرف "انفرادیت" ہی کا قائل نہیں ہے بلکہ وہ "اجتماعیت" کا بھی حامل ہے۔ اس معتدل و متوازن معاشی نظام کے برعکس دنیا کے دونوں مروجہ معاشی نظام (کیپیٹلزم اور سوشلزم) اس بنیادی خصوصیت سے عاری ہیں۔ ایک صرف اور صرف "انفرادیت" کا قائل ہے تو دوسرا صرف اور صرف "اجتماعیت" کا حامل۔ غرضیکہ اسلام کے سوا دنیا کا ہر نظریہ و نظام انسانی زندگی کی "ثنائیت" کا منکر ہے۔

۴۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کی مطابقت

اسلام کے معاشی نظام کے مکمل خدوخال دیکھنے سے پہلے ایک اور اہم حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے اور وہ ہے سرمایہ داری اور اشتراکیت کی مطابقت۔ اوپر درج کردہ خاکہ نمبر ا کا اگر بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو بآسانی یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ عصرِ حاضر کے دونوں معاشی نظاموں میں ظاہری اختلاف کے باوجود بڑی گہری مناسبت، یکسانیت اور مطابقت پائی جاتی ہے۔ معاشی مسئلہ کا اس پہلو سے مندرجہ ذیل جائزہ بہت دلچسپ اور سبق آموز ہے:

(الف) رائج الوقت سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں معاشی نظام محض مادیت یا مادہ پرستی کی پیداوار ہیں۔ اسی لیے یہ بنیادی طور پر زندگی کے دوسرے حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ ان دونوں نظاموں میں معاشی محرکات ہی اصل اہمیت کے حامل ہیں۔ اخلاقی و روحانی اقدار کے لیے ان کے اندر کوئی مقام نہیں۔ ہر چند کہ انسانی زندگی کی اکائی ایک اٹل حقیقت ہے مگر یہ چیز ان دونوں معاشی نظاموں میں عنقا ہے۔ نظریاتی اعتبار سے بھی اور عملی لحاظ سے بھی۔

(ب) دونوں نظام انسانی دماغ کی اختراع ہیں۔ اور انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ اس پر خواہشات و اغراض اور تعصبات کا غلبہ ہوتا ہے۔ نیز وہ زندگی کے تمام حقائق پر محیط اور بے لاگ نظر نہیں رکھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی ساخت کا ہر نظام غیر متوازن ہوتا ہے۔

(ج) دونوں نظاموں کی ساخت و پرداخت اور نشوونما میں یہودی دماغ کا دخل رہا ہے،

اور صدیوں کی تاریخ بتا رہی ہے کہ یہودیوں سے بھلائی کی توفیق سلب ہو چکی ہے اور ان کا دماغ ہر جگہ فتنہ پردازی ہی کرتا رہا ہے۔

(د) دونوں نظاموں میں انسان کی انسانیت، عظمت، احترام اور توقیر کا فقدان ہے۔ دونوں نظام انسان کو ایک معاشی حیوان سے زیادہ درجہ دینے کو تیار نہیں۔ دونوں جگہ انسان محض معاشیات کی ترازو میں تولا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عام انسان کو معاشی آزادی نہ سرمایہ داری کے اجارہ دارانہ نظام میں نصیب ہوتی ہے اور نہ اشتراکیت کی قومی ملکیت میں۔ حالانکہ دونوں انسان کی معاشی ترقی کے دعویدار ہیں۔ معاشی انصاف کا خواب دونوں نظاموں میں ہنوز شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا اور نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے۔ الغرض سرمایہ داری اگر جنگل کا نظام ہے جہاں چند قوی کمزوروں کو ہڑپ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو سوشلزم وہ نظام قید خانہ ہے جہاں چند جلاد بقیہ پوری قوم کو مستقلاً محبوس رکھ کر بے بسی کے عالم میں اُن کا خون نچوڑتے ہیں۔ انسان اور انسانیت کے دونوں دشمن ہیں۔

(ہ) ارتکازِ دولت بحیثیت بنیادی اصول کے دونوں نظاموں میں مسلّم ہے۔ اگر کیپٹل ازم میں ارتکازِ دولت چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو سوشلزم کے اندر یہی ارتکاز حکمران پارٹی کے ہاتھ میں ہو جاتا ہے۔ پھر ارتکازِ دولت کا مقصد دونوں جگہ یکساں ہے، یعنی سرمایہ کاری اور سرمایہ آفرینی۔ اسی مقصدی یکسانیت کی وجہ سے دونوں نظاموں میں منطقی اعتبار سے اصل اہمیت صرف اور صرف "سرمایہ" کی قرار پاتی ہے، انسان کا درجہ ثانوی حیثیت سے زیادہ قرار نہیں پاتا۔ گویا معاشی نظام کی صورت گری انسان کی خاطر نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے کی جاتی ہے۔

(و) دونوں نظام ایک مخصوص اور چھوٹے طبقہ کی حکمرانی قائم کرتے ہیں۔ کیپٹل ازم میں اس طبقے کا نام دولتمند زور آور ہے اور سوشلزم میں اس کو نوکر شاہی اور لیڈر شاہی سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ طبقاتی تقسیم نہ کیپٹل ازم میں ختم ہو سکتی ہے اور نہ سوشلزم میں کیونکہ دونوں کا خمیر محدود گروہی عصبیت ہی سے تیار ہوا ہے۔ مختصراً یہ کہ دونوں نظاموں میں عوام اصل حکمرانی سے عملاً بے دخل کیے جا چکے ہیں اور محض چند افراد کی معاشی و سیاسی آمریت قائم ہو چکی ہے۔

دورِ جدید کے سرمایہ دارانہ ممالک اور سوشلسٹ ممالک سب کے سب اس حالت کی بخوبی عکاسی کر رہے ہیں۔

(۱۰) جن معاشی نظاموں میں مندرجۂ بالا خصوصیات بیک وقت جمع ہو جائیں تو یہ تصور کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے کہ ان میں بین الاقوامی ظلم و استحصال کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ زندگی کی مادی تعبیر کے پیشِ نظر اندرونِ ملک تک ہی یہ استحصال محدود نہیں رہتا بلکہ بیرونِ ملک بھی روا رکھا جاتا ہے، اس لیے کہ انسان و انسانیت کے بجائے مادی و معاشی منفعت ہی منتہائے مقصود ہوتی ہے۔ آج کی دنیا میں یہ تکلیف دہ صورتِ حال سوشلسٹ کیمپ اور سرمایہ دارانہ بلاک دونوں ہی میں دکھائی دیتی ہے۔ استعماریت کی جان ایک ہے مگر قالب دو ہیں۔ ایک کا نام سرخ سامراج ہے اور دوسرے کا نام سفید سامراج۔ دورِ حاضر کے رُوئے زمین کا چپّہ چپّہ ان دونوں قسم کے سامراجوں کے تسلط سے عاجز آچکا ہے۔

اس تجزیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کیپٹل ازم اور سوشلزم دونوں ہی انسان کو ایک متوازن، جامع اور عادلانہ معاشی نظام فراہم کرنے سے بالکل قاصر رہے ہیں۔ ان دونوں نظاموں نے معاشی مسائل کو حل نہیں کیا بلکہ ان میں مزید پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ انسانیت ان دونوں معاشی نظاموں سے تنگ آچکی ہے اور وہ اب ایک تیسرے معاشی نظام کی تلاش میں سرگردان ہے۔ ایسا نظام جو اس کے رِستے ہوئے ناسور کا صحیح علاج کر سکے!

۴۔ معیاری معاشی نظام کی خصوصیّات

کیپٹل ازم اور سوشلزم کی گوناگوں خامیوں اور ناکامیوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک معیاری و مثالی معاشی نظام کی خصوصیات متعین کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ اس نقطۂ نظر سے ایک معیاری اور مثالی معاشی نظام میں کم از کم مندرجۂ ذیل خصوصیات کا پایا جانا ازبس ضروری ہے۔

(الف) چونکہ انسانی زندگی متنوّع ضروریات کے باوجود ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ معاشرہ میں ایک نہایت جامع و متوازن نظامِ حیات موجود ہو جو ہر گوشۂ زندگی پر حاوی ہو اور معاشرے کا معاشی نظام اُس پُورے نظامِ حیات سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔

(ب) معاشی نظام کی بنیاد عدل و انصاف پر قائم ہو۔ فرد اور جماعت کے حقوق و فرائض بالکل واضح

اور متعین ہوں اور اُن انفرادی و اجتماعی حقوق و فرائض میں کوئی اختلاف اور نزاع موجود نہ ہو تاکہ باہمی کشمکش کا سدِ باب ہو جائے۔

(ج) اس نظام میں معاشی ذرائع و وسائل اور مادی قوتوں سے استفادے کے مواقع سب کے لیے کھلے ہوئے ہوں اور پوری معاشی تگ و دو میں وہ مواقع کی مساوات کا ضامن ہو۔

(د) وہ معاشی نظام اس بات کا ضامن ہو کہ ملک میں کوئی شخص بنیادی ضروریاتِ زندگی یعنی غذا، لباس رہائش، علاج اور تعلیم سے محروم نہ رہ جائے۔

(ہ) وہ معاشی نظام ایسا ہو کہ اسے چلانے کے لیے کسی ایسے سیاسی نظام کی ضرورت نہ ہو جس میں آزادیٔ فکر، آزادیٔ رائے اور آزادیٔ نقل و حرکت پامال ہو کر رہ جائیں۔ بالفاظِ دیگر ملک کی سیاست میں جمہوری روح کار فرما ہو اور معاشی نظام کے نفاذ کے لیے کسی جبر و استبداد کی ضرورت پیش نہ آئے۔

(و) وہ معاشی نظام ایک ایسا مضبوط و فعال نظامِ احتساب قائم کرتا ہو جس کے ذریعہ افراد اور اجتماعی نظم ایک دوسرے کی ہمہ وقت نگرانی کر سکیں تاکہ حق و انصاف سے رُوگردانی نہ کی جا سکے۔

(ز) اس معاشی نظام کا مقصد بہ حیثیتِ مجموعی پوری انسانیت کی فلاح و بہبود ہو۔

(ح) وہ معاشی نظام ایک ایسے معاشرہ میں قائم ہو جہاں اخلاقی و روحانی اقدار نافذ ہوں اور مسلسل نشوونما پا رہی ہوں۔ یعنی مادیت و روحانیت ایک دوسرے سے تقویت پاتی رہیں۔

۵۔ اسلام کا معاشی نظام ۔ اصول و ضوابط

اسلام کا معاشی نظام نظری اعتبار سے قرآن پاک، احادیث نبویؐ، اقوال صحابہؓ اور فقہاء و علماء کی تشریحات و تصریحات میں صاف صاف موجود ہے اور عملی نقطۂ نظر سے اس کے مکمل نقش و نگار رسولِ اکرمؐ اور خلافت راشدہ کے دور میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مندرجۂ ذیل رہنما اصول و ضوابط اسلام کے اُسی نظری، علمی اور عملی مرقعے سے ماخوذ ہیں جس کی شہادت تاریخ میں محفوظ ہے۔ ان اصولوں کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام میں معاش مقصدِ حیات نہیں وسیلۂ حیات ہے، درآنحالیکہ کیپٹل ازم اور سوشلزم دونوں میں یہ منتہائے مقصود ہے۔

(۱) اسلام کا فلسفۂ معاشیات کوئی الگ فلسفہ نہیں ہے بلکہ وہ پورے اسلامی فلسفۂ حیات کا ایک ضروری

جزو ہے۔ اللہ کی توحید کے ساتھ اس فلسفۂ حیات کا انسانی زندگی کی اکائی پر اصرار ہے جو عین فطرتِ انسانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظامِ حیات میں دینی و اخلاقی اقدار بھی ہیں اور معاشی و مادّی اصول و ضوابط۔ اس میں معاشرت کے احکام بھی ہیں اور سیاست سے متعلق جملہ نکات بھی۔ غرضیکہ اسلام نے فرد کی تمام انفرادی ضروریات کا خیال بھی رکھا ہے اور معاشرے کے اجتماعی تقاضے بھی ملحوظ رکھے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اُدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔ "اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ" (البقرہ-۲۰۸)

ظاہر ہے کہ ایسے نظامِ حیات میں نہ صرف جامعیت ہوگی بلکہ اس کی اساس عدل و اعتدال پر مبنی ہوگی۔ اسلام کے معاشی نظام کی بنیادیں بھی بعینہٖ فطری حقائق پر اُستوار ہیں جس طرح اسلام کا پورا نظامِ حیات افراط و تفریط سے پاک ایک جامع، متوازن اور عادلانہ نظامِ زندگی ہے بالکل اسی طرح اسلام کا معاشی پروگرام بھی انہی بنیادی خصوصیات کا حامل ہے۔ علاوہ ازیں یہ اہم اور بنیادی اوصاف اسلامی نظامِ معیشت کے ایک ایک اصول اور قاعدے میں مُزیّن ملیں گے۔ پھر یہ کہ عدل و توازن پر مبنی اسلام کے معاشی اصول و ضوابط صرف ترغیب و تلقین تک محدود نہیں رکھے گئے بلکہ ان کے عملی نفاذ کے لیے باقاعدہ قوانین بھی مدوّن کیے گئے ہیں۔ مختصراً یہ کہ اسلام کا معاشی نظام ہر زاویہ اور ہر نقطۂ نظر سے ایک مکمل معاشی نظام ہے جو زندگی کے تمام معاشی افعال و اعمال کی ہمہ جہتی رہبری کرتا ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ اسلام کے معاشی نظام کا یہ وہ امتیازی پہلو ہے جس کی نظیر کسی دوسرے معاشی نظام میں نہیں مل سکتی۔ اسلامی معیشت کی دوسری تمام تعلیمات کی حیثیت جن کا بیان آگے آ رہا ہے محض تفصیلات و تشریحات کا درجہ رکھتی ہیں۔ تجزیہ کرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ ان سب کا اساسی تصور اور بنیادی مزاج ہر جگہ وہی ایک ہے جس کی تصریح کی جا چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو قرآن میں "اُمّتِ وسط" سے موسوم کیا ہے۔

(۲) اسلام کے معاشی نظام کا مقصود و مطلوب صرف یہ ہے کہ حیاتِ انسانی اس نہج پر استوار کی جائے کہ ایک مسلمان انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں میں دنیوی فلاح اور اُخروی کامرانی حاصل کر سکے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ عظیم نصب العین اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب ایثار، قربانی اور امداد باہمی سے

کام لیا جائے۔ اب اگر ذرا غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے نزدیک معاشی وغیر معاشی سرگرمیوں کی روح تزاحم نہیں تعاون ہے اور جہاں رُوحِ تعاون کارفرما ہو وہاں معاشی مسائل کا حل کیا جانا کتنا آسان ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ۔ بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو۔ (المائدہ۔۲)

ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور بھائی چارہ سے نہ صرف یہ کہ رضائے الٰہی حاصل ہوگی بلکہ ملت میں معاشی فلاح و بہبود کا دور دورہ بھی ہوگا۔ فی الواقع ایسا معاشرہ ہی تنہا "فلاحی مملکت" ہونے کا حقدار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی فلاحی مملکت ماضی میں قائم ہو چکی ہے، لہٰذا فلاحِ ملت ایک نظری اصول ہی نہیں بلکہ ایک عملی خاکہ کا دوسرا نام ہے جو صرف اسلام کا معاشی نظام ہی فراہم کرتا ہے۔ جب انسان کا مقصدِ زندگی رضائے الٰہی کا حصول ہوگا تو وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھے گا اور احساسِ جوابدہی سے لوگوں کی حق تلفی سے باز رکھے گا۔ دراصل معاشرہ میں ایک دوسرے کی حق تلفی کا ازالہ ہی فلاحِ ملت ہے۔

(۳) اسلامی نظامِ معیشت میں ہر انسان کو یہ مساوی حق دیا گیا کہ وہ قدرت کے عطا کردہ معاشی ذرائع و وسائل کو استعمال کرے۔ قرآن کہتا ہے کہ:

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۔ (الجاثیہ۔۱۳)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔

نتیجۃً کسبِ معاش یعنی روزی کی مقداروں میں بہرحال صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف افراد میں فطری فرق باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔ (الزخرف۔۳۲)

ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کی ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر بلند درجے دیئے ہیں۔

معاشی ذرائع و وسائل سے استفادہ کرنے میں کسی خاص فرد یا گروہ کو کوئی ترجیح یا فوقیت

نہیں دی گئی ہے۔ البتہ ان چیزوں کے استعمال سے متعلق چند واضح حدود قائم کر دی گئی ہیں۔ ان تحدیدات کا واحد مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی معاشی جدوجہد اجتماعی مفاد سے متصادم نہ ہونے پائے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر معاشی ذرائع و وسائل کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک حلال یا جائز اور دوسرے حرام یا ناجائز۔ کسبِ معاش کی اس اہم تقسیم کی نظیر دنیا میں کہیں اور نہیں پائی جاتی۔ اسلام نے حرام چیزوں میں سُود، چور بازاری، اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی، قمار بازی، شراب کا کاروبار اور سامانِ فحاشی و تعیشات کی تجارت وہ چند ذرائع آمدنی ہیں جن کو اسلام کے معاشی نظام نے قطعی ممنوع قرار دیا ہے۔ ہر معقول آدمی یہ بات بادنیٰ تامل سمجھ سکتا ہے کہ حلال و حرام کی یہ تمیز سماج کے وسیع تر مفاد میں ہے تاکہ ایک صاف ستھری معیشت پروان چڑھ سکے۔ موجودہ دور کی معاشی لوٹ کھسوٹ انہی ذرائع کی پیداوار ہے جس کو اسلام نے یکسر بند کر دیا۔ اسلام کے معاشی پروگرام کا یہ وہ حکیمانہ نسخہ ہے جس کی مثال کسی دوسرے اقتصادی نظام میں ملنی محال ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام نے تنہا اس ایک زرین اصول کے ذریعہ معاشرہ میں معاشی استحصال کا قلع قمع کر کے رکھ دیا ہے۔ ذرائع آمدنی کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہر شخص اپنی صلاحیتوں کے مطابق جتنی چاہے دولت کما سکتا ہے۔ مقدارِ آمدنی پر کوئی پابندی نہیں۔

(۴) اسلام کا چوتھا اصولِ معیشت انفرادی ملکیت سے متعلق ہے۔ اسلام میں ملکیتِ مطلق کا تصور نہیں بلکہ امانت کا تصور ہے یعنی یہ کہ جن اشیاء پر انسان کا تصرف ہو وہ اس کو مطلق العنان ہو کر استعمال نہیں کر سکتا بلکہ بحیثیت امین اس کے اصل مالک یعنی اللہ کی دی ہوئی امانت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسلام نے افراد کے لیے فطری تقاضوں کے پیشِ نظر ذاتی ملکیت کا حق تسلیم کیا ہے خواہ وہ اشیائے استعمال ہوں یا ذرائع پیداوار۔ قرآن میں جگہ جگہ اس کی اجازت دی گئی ہے۔ صراحت کے لیے ذیل کی آیت ملاحظہ ہو جو واضح الفاظ میں افراد کو ملکیت حاصل کرنے اور اس پر تصرف کرنے کا حق عطا کرتی ہے:

اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَـكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ (البقرہ: ۲۶۷)	اپنی پاکیزہ کمائی سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

مزید یہ کہ حج، زکوٰۃ اور قانونِ وراثت کے احکام کی موجودگی اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اسلام نے ذاتی ملکیت کی اجازت دی ہے مگر اس حقِ ملکیت کو بھی کچھ شرائط کا پابند کرکے محدود کر دیا ہے تاکہ ملت کے لیے مضرت رساں نہ بن سکے۔ کسی فرد کو اپنی حاصل کردہ ملکیت میں ایسے تصرفات کی اجازت نہیں ہے جو دوسرے افراد یا پورے معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہو اور مملکت کے جائز کاموں میں خلل انداز ہو۔ مثال کے طور پر مندرجۂ ذیل چند تحدیدات صورتِ حال واضح کرنے کے لیے کافی ہیں:

(الف) اگر کسی شخص کو آبادکاری کے لیے زمین دی گئی ہو اور وہ اُس زمین کو تین سال تک زیرِ کاشت نہیں لاتا تو اس کی زمین کے مالکانہ حقوق ختم کیے جاسکتے ہیں اور وہ زمین کسی ایسے شخص کو دی جاسکتی ہے جو اس پر خود کاشت کرے (احادیثِ نبوی بحوالہ امام ابو یوسف۔ کتاب الخراج، باب ۸ فصل د)

(ب) مختلف احادیثِ نبوی اور اقوالِ فقہاء کے مطابق معادن، پہاڑ، دریا، چشمے، سمندر اور اس کے قیمتی ذخائر، دفینے، تیل و گیس کے قدرتی ذخائر، جنگلات اور چراگاہیں وغیرہ مفادِ عامہ کے پیشِ نظر انفرادی ملکیت میں نہیں دیئے جاسکتے۔ ان چیزوں سے استفادہ عام کا انتظام ملک کا نظمِ اجتماعی ہی مناسب طریقوں سے کر سکتا ہے۔

(ج) غصب کردہ دولت پر حقِ ملکیت ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ برّ صغیر ہند و پاک میں انگریز کی بخشی ہوئی جاگیریں۔

یہ ہے وہ طریقہ جس سے انفرادی ملکیت کی مقدار مقرر نہ کرنے کے باوجود ہر شخص کی ملکیت اور حقِ ملکیت کو چند شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔

۵۔ ذاتی آمدنی اور ملکیت پر تحدید کے ساتھ ساتھ اسلام کے معاشی نظام میں خرچ کی راہوں پر بھی معقول پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں تاکہ وہ قوم و ملک کے لیے نقصان دہ نہ ہو سکیں۔ صرفِ مال میں بھی حلال و حرام کی قید ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک طرف اموال و اشیاء ضائع کرنے کی ممانعت ہے تو دوسری طرف اسراف کی اجازت نہیں دی گئی۔ مصالحِ عامہ کی خاطر نمود و نمائش، عیش کوشی اور دیگر غیر شرعی مصارف پر مال خرچ کرنے کی راہیں بھی قطعی مسدود کر دی گئی ہیں۔ اس معاشی اصول کی حکمت یہ ہے کہ وہ جڑ ہی کاٹ دی جائے

جس پر حرص و طمع اور بغض و حسد کا تناور درخت نمو پاتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اگر کسی معاشرے کے افراد سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی ہو جائیں تو زندگی کے لاتعداد مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں

(۶) معاشی مسائل کا اہم ترین مسئلہ دولت کا بے جا ارتکاز ہے۔ معاشی فساد کا سبب یہ ہے کہ قومی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ دنیا کا کوئی معاشی نظام اس مسئلہ ارتکاز دولت پر آج تک قابو نہ پا سکا۔ لیکن اسلام نے اس پیچیدہ مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حل کر کے دکھا دیا یعنی یہ کہ بے جا ارتکازِ دولت کو گردشِ دولت میں تبدیل کر دیا۔ اسلام نے معاشرے میں گردشِ دولت کو برقرار رکھنے ارتکاز اور اکتناز کو روکنے کے لیے مندرجہ ذیل اصول دیئے ہیں۔

(الف) جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ دولت کمانے میں حلال و حرام کی شرط لگا کر ناجائز افزائشِ دولت کا سدِ باب کر دیا گیا ہے۔ ذاتی ملکیت پر بھی مختلف پابندیاں عائد کر کے دولت کو صرف چند افراد کے درمیان مرتکز ہونے کے امکانات کو ختم کر دیا گیا ہے۔

(ب) جائز ذرائع سے جو بھی دولت حاصل ہو جائے گی اس کی بھی منصفانہ تقسیم کے لیے زکوٰۃ اور دیگر بہت سے محصولات کی ادائیگی کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ ان تمام محصولات کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔ یہاں محض اتنا سمجھنا کافی ہے کہ مقرر کردہ اسلامی محصولات کی موجودگی میں یہ ہرگز ممکن نہ ہوگا کہ چند دولتمند تو امیر سے امیر تر اور امیر تر سے امیر ترین بن جائیں اور باقی لوگ غریب کے غریب رہیں۔

(ج) قانونِ وراثت کے ذریعہ ایک شخص کی موت کے بعد اس کی جمع شدہ دولت کو ایک جگہ رکھنے سے روکا جاتا ہے۔ مرنے والے کی دولت کو زیادہ سے زیادہ افراد کے درمیان پھیلا دیا جاتا ہے۔ قانونِ وراثت کے ذریعہ مرنے والے کی دولت کو اس کے ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بہن، بھائی، شوہر یا بیوی اور دیگر رشتہ داروں کے درمیان درجہ بدرجہ تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ وراثت کے تفصیلی احکام جو اسلام نے دیئے ہیں وہ تمام دنیا کے قواعدِ وراثت سے بالکل اچھوتے ہیں۔ اسلامی قانونِ وراثت کے ذریعہ گردشِ دولت کا وہی عالم ہوتا ہے جس طرح انسانی جسم میں خون کا دورانِ پیہم۔

(د) دولت کو مزید استعمال کرنے اور گردش میں لانے کے لیے شریعت نے ہر فرد پر نفقاتِ واجبہ

کی ذمہ داری قائم کردی ہے۔ حاجت مند افرادِ خاندان کی حاجت روائی اور اہل خاندان کی مکمل کفالت قانونی فرض ہے۔ مثلاً اگر اہلِ ثروت کے ماں، باپ، بالغ اولاد، بیوہ بیٹی، مطلقہ بیٹی، دادا، دادی، نانا، نانی پوتا، پوتی اور نواسا نواسی نادار و محتاج ہوں تو ان دولتمند حضرات پر ایسے تمام رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہوگا۔ یہ نفقۂ واجبہ اس کفالت کے علاوہ ہے جو ان کی بیوی اور نابالغ بچوں کے لیے ضروری ہے۔

(۵) نفقاتِ واجبہ کے ساتھ دولتمند افراد پر مزید انفاقِ مال کی ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ مال دار افراد سے اسلام کا مطالبہ ہے کہ وہ العفو (ضروریات سے زائد) دولت کو دوسرے اہلِ حاجت کے لیے صرف کریں۔ اپنی ذاتی ضروریات اور دیگر اصحابِ حقوق کے حق ادا کرنے کے بعد جو فاضل مال و دولت بچ رہے اس میں سے وہ دوسرے ضرورتمندوں پر خرچ کریں، مثلاً حاجت مند پڑوسی، مہمان، مسافر، مسکین، بیوہ، بیمار، معذور اور سائل وغیرہ۔ یہ سمجھنا قطعی مشکل نہیں ہے کہ اگر دولتمند افراد اصولِ انفاق پر عمل پیرا ہوں تو نہ صرف یہ کہ بے قاعدہ ارتکازِ دولت محال ہوگا بلکہ معاشرہ میں شاید ہی کوئی ایسا فرد باقی رہ جائے گا جس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری نہ ہوسکیں۔

(۶) دولتمند افراد سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ضرورتمندوں کو نقدی بطورِ قرض حسنہ اور مملوکہ اشیائ بطورِ عاریت دے کر ان کو استفادہ کرنے کا موقع دیں۔

یہ ہے گردشِ دولت کا وہ لامتناہی تسلسل جس کے ہوتے ہوئے معاشرہ میں غیر فطری معاشی تفاوت کا پیدا ہونا یقیناً ناممکن ہے۔ اس میں لوگوں کے معاشی مدارج و مراتب تو مختلف ہوں گے مگر بے جا ارتکازِ دولت اور اس کی پیدا کردہ مشکلات کا نام و نشان نہ ہوگا۔ نیز اس میں ناروا استحصال کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ غرضیکہ اسلام کا اصولِ گردشِ دولت معاشی مصائب کا ازالہ بہ حسن و خوبی کر دیتا ہے۔ گردشِ دولت کا مقصد قرآن نے کتنے صحیح الفاظ میں بیان کیا ہے یعنی یہ کہ:

كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْكُمْ (الحشر۔۷) "تاکہ مال تمہارے دولتمندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہ جائے" یوں اسلامی معیشت میں گردشِ دولت کے ذریعہ غیر فطری مساویانہ تقسیم دولت کے بجائے منصفانہ تقسیمِ دولت عمل میں آئی ہے۔ (باقی)